R. No. 2196/57

Regd. No. A. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 29

Telegrams "ANJUMAN"

چندہ
سالانہ تین روپے
ایک پرچہ
فی نقل پیسہ
تاریخ اشاعت

جلد ۲۱ - شمارہ ۴۵	ایڈیٹر - آل احمد سرور	علی گڑھ - یکم دسمبر ۱۹۶۲ء

(اقبال کرشن)

اُردو رسائل کے چند خاص نمبر

یادگار (لاہور)

سالنامہ ۱۹۲۳ء۔ ادارہ : نیر بی۔ اے، سید وحید بی اے، منظور احمد عثمانی بی۔ اے، سید فرید جعفری؛ مہتمم اعلیٰ : احمد حسین؛ پرنٹر و پبلشر : چودھری اللہ داد؛ مطبوعہ : کوآپریٹو سٹیم پریس، لاہور؛ مقام اشاعت : اندرون بھاٹی دروازہ، لاہور؛ جلد : ۵، نمبر : ۲۵-۲۶؛ بابت : جنوری و فروری؛ صفحات : ۲۰۴۔

حصۂ نظم : ارشادات عالیہ (درد الفت سے کبھو دل سے نہ جانا ہرگز)، فصاحت جنگ جلیل؛ غزل، نیر؛ غزل (گواہ عصمت رنداں ہے یہ اے پیر مےخانہ) مرزا ہادی عزیز؛ احسن الکلام، احسن مارہروی؛ نیرنگ ہستی، فرخ امرتسری؛ یگانہ آرٹ، مرزا یگانہ چنگیزی؛ نغمۂ مستانہ، فرخ امرتسری؛ نوائے محوی، محوی صدیقی؛ توبہ، کوکب شاہ جہاں پوری؛ میر تقیؒ، محمود اسرائیلی؛ غزل، رشید صحرائی؛ کلام ریاض (دختر چھوٹے آئے ہیں دل میں کہاں سے آپ) ریاض خیرآبادی؛ مرگ حیات آفریں، نوح ناروی؛ غزل، قیسی رام پوری؛ غزل (بھلا کیوں کر نہ ہوں راتوں کو نیند یں بے قرار اس کی)، اختر شیرانی؛ نگاہ مایوس، شہید رومانی؛ رباعی، آغا شاعر قزلباش؛ تیسی اور بےچارگی، کمال امروہوی؛ منوہر گیت، مقبول حسین احمد پوری؛ رباعیات، اسلم قریشی؛ غزل، سید عبدالستار؛ جذبات عالیہ، دل شاہ جہاں پوری؛

مشاہدات، کاظم دہلوی؛ پیارا کنہیا، احمد حیدرآبادی؛ غزل، خادم علی خاں اختر؛ آہنگ تپش، عبداللطیف تپش؛ فقیر بنام جلال الدین حیدر؛ واردات قلب، احتشام رضوی؛ انسان، اندرجیت شرما؛ تغزل کا دلفریب رنگ، سید ولی حیدر گوہر؛ پلیسی پیاوالی کی عید، اختر واصفی؛ حور بیاباں، احسان بن دانش؛ غزل، رسا جالندھری؛ باغ سخن کے پھول، فضا جالندھری۔

حصۂ نثر : نغمۂ الست، خواجہ حسن نظامی؛ ریاض خیرآبادی کا ایک مکتوب بنام فضا جالندھری؛ شذرات، ادارہ؛ مرزا معزالدین بہادر گورگانی، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم؛ ادبی لطیفے، یگانہ چنگیزی؛ حملۂ بابر سے پہلے سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوستان کی حالت، سید حسن برنی؛ نئی ہمسائی، علی عباس حسینی؛ شاعری اور مسودۂ مشاہدہ، محمد حسین ادیب؛ دو یتیم، محوی صدیقی؛ گورکن، مسافر؛ اے جاز جی، ایم اسلم؛ قربانی، اعظم کریوی؛ توبہ فرمایاں چرا خود کمتر توبہ می کنند، نصراللہ عزیز؛ چڑیا، منظور احمد؛ اردو اور شمالی ہند، ڈاکٹر گوردی؛ ڈاکٹر شبیر حسین مارہروی؛ عید کا چاند، سیدہ اصغری بیگم؛ دیباچہ، فضل حق قریشی؛ شرائے رباعی، حامد حسن قادری؛ بارود، مصطفےٰ چھوٹے آنکھ عظیم بیگ چغتائی؛ باپ کا انتقام، مرزا ادیب؛ اردو ڈراما پر ایک تنقیدی نظر، مذہب، منظور حسین امیر آبادی؛ زہر، انیس الدین احمد رضوی؛ دنیا ہی جہنم، امین سلونوی؛ نقش دیوار، عبدالطیف طاہر قریشی؛ شیر شاہ کا مقبرہ، سید محمد موسیٰ انگریز سیاپی؛ پہلوی اور فارسی قدیم، نذیر احمد خاں مرغوب؛ امریکہ اور گمشدگی، شفقت عباسی؛ دمشق، سید ناظر محمود بیلوی؛ ساحد بھائی کی مشرب پرستی، سیدہ اصغری بیگم؛ کوشش، نگین، دیوانہ مصطفےٰ آبادی؛ سوتیلی ماں، عائشہ بیگم سہسرامی۔

تصویریں: تصویروں کے بارہ اوراق۔ چار عدد رنگین تصویریں صفحہ ۸ اور ۹ کے درمیان ریاض خیرآبادی، خواجہ حسن نظامی، عزیز لکھنوی، علی عباس حسینی، اعظم کریوی، ایم اسلم، امین سلونوی کی تصویریں ورق کے ایک صفحے پر۔ صفحہ ۴۰، ۴۱ کے درمیان مولانا محمود اسرائیلی کی تصویر۔

نقد و نظر کے زیر عنوان مندرجہ ذیل کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے، تحفۂ طاؤس، گشتہ قادری؛ طوفان تبسم، شوکت تھانوی؛ نقد الادب، حامد اللہ افسر؛ وغیرہ۔

اشتہارات میں ایک جگہ "حرم سرا" کا اشتہار ملتا ہے ووز آف دی حرم کا ترجمہ ریاض خیرآبادی کے قلم سے۔

سالنامہ ۱۹۳۵ء۔ جلد ۷، نمبر ۲۹ و ۳۰؛ بابت جنوری و فروری؛ قیمت ایک روپیہ؛ نگراں، محمد علم الدین سالک؛ مرتب، احمد حسین و منظر صدیقی؛ صفحات ۱۹۲۔ دو رنگا سرورق۔

حصۂ نثر: شذرات، ادارہ؛ ٹیپو سلطان کی شہادت علم الدین سالک؛ سڑک کی مہترانی، ایم سلیم ندوروی؛ خیام العصر حضرت ریاض خیرآبادی، اعظم کریوی؛ عورت کا منتر، مظہر انصاری؛ افسانہ کی تمہید، وقار عظیم؛ زمانہ ماضی میں اردو کی ہمہ گیری، درد کاکوروی؛ نسوانی فطرت کا ایک معصوم پہلو، قیسی رام پوری؛ راجہ غالب جنگ، خواجہ عبدالروف عشرت لکھنوی؛ "دیوانہ"، سعادت حسن منٹو؛ عراق کے عتبات عالیہ، منظور حسین ماہر القادری؛ انطون چیخوف، سعادت حسن منٹو؛ بغاوت یونان سے پیش تر، انیس الدین احمد رضوی؛ پہلا پیار، منظر صدیقی؛ تدوین لغت، حکیم سید علی آشفتہ لکھنوی؛ ماما اور فرض، فضل حق قریشی؛ نواب نظام الملک آصف جاہ، علی کوثر چاند پوری؛ کشاکش حیات، سیدہ اصغری بیگم؛ خیام ہند کے کلام کا ایک اصلاحی پہلو، وقار عظیم؛ پنجہ ہائے ابر، حافظ وکیل احمد حافظ؛ جزیرہ کریٹ میں قدیم عربی تمدن کا سراغ، مولوی محمد اسمٰعیل ناصح؛ اشعار منثور، رشید صحرائی؛ عشق، رضی عظیم آبادی؛ بہشت و دوزخ، افتخار الرسول؛ اشتہارات۔

حصۂ نظم: قطعہ تاریخ سالنامہ، درد کاکوروی؛ یگانہ آرٹ، میرزا یگانہ چنگیزی؛ دنیا شاعر کی نگاہ میں، محمود اسرائیلی؛ جذبات بسمل، سید امین الحسن رضوی بسمل؛ خمکدۂ ریاض (اچھی پی لی خراب پی لی)، ریاض خیرآبادی؛ شاہراہ تل (ان کے دل پر دل کو جو بے چین کر سکتے نہیں)، سید وحید الدین سلیم پانی پتی؛ بندہ پروری ہو گی، فصاحت جنگ جلیل؛ قطعہ، احمد علی؛ ماجرائے رنج، سجاد علی خاں بسمل؛ ناز یکتائی (انہیں شوق خود آرائی نہ ہوتا)، حسرت موہانی؛ پہیلی کی تلاش، آسی رام نگری؛ ضمیر، سراج الحسن سراج لکھنوی؛ تمنائے سحر، معراج الدین بیتابی؛ طوفان نوح، نوح ناروی؛ حسن بیان، عبداللطیف تپش؛ غیر مطبوعہ کلام (معدوم خیالات نگیرنہ ہوئے: مہلت کہیں اک آن تو لینے دے مجھے)، شاد عظیم آبادی؛ بادۂ حافظ، حافظ وکیل احمد حافظ؛ چشم تصور کی رعنائیاں، ول محمد فضا؛ بہار، طالب علی عابد؛ جوش کلام، احسن مارہروی؛ تجلیات، خورشید حسن خورشید؛ تبرکات (کاش ہوں گلچین باغ وصل عالم کی طرح)، راسخ عظیم آبادی؛ غزل، عاشق علی بیگ خیال؛ رباب و شباب (سکوں پذیر جنون شراب ہو نہ سکا)، سیماب اکبر آبادی؛ رباعیات، اسلم قریشی؛ تضمین بر غزل عراقی، امجد حیدر آبادی؛ نغمۂ جشن (وہ آئی گھٹا، رنگ سامانیاں کر)، جوش ملیح آبادی؛ پریشانیاں، عبدالحمید حمید؛ غزل، شاد قدوائی؛ کیا ہوں میں، محمد عثمان رخشاں؛ سوز اضطراب، صبا رشیدی؛ انجمن کس کو چین، واحد قریشی؛ تحریک عمل، اصغر بجیبی؛ ہندوستان، اعجاز صدیقی؛ یادگار، کوکب شاہجہانپوری؛ دل کا شوالہ سونا پڑا ہے، منظر صدیقی۔

تصویریں: میر عثمان علی خاں (سہ رنگہ)، سجاد علی خاں بسمل، میر مذر علی، درد کاکوروی، صبا رشیدی، چیخوف، کشمکش (سہ رنگہ)، ٹیپو سلطان (سہ رنگہ)، چاند بی بی (سہ رنگہ)، تیر انداز، ٹیپو سلطان کی نعش کی بازیافت، ٹیپو سلطان، مصور کا کمال، اسرائیلی غلام، دجلہ کے کنارے بغداد کا منظر، روضۂ حضرت امام اعظم، روضۂ حضرت معروف کرخی، ذوالکفل، بابل کے کھنڈرات، شہر بغداد، فوارہ، خوف، بیتوں کو دیکھے گا ....

صفحہ ۱۹۲ پر بال جبریل کے پہلے ایڈیشن کا اشتہار، آخری صفحہ پر مخزن حکمت طبع نہم کا اشتہار۔

نیرنگ (دہلی)

پچیسویں جلد کا پہلا اور دوسرا مخلوط شمارہ۔ سنہ ۱۹۳۴ء

کا جوبلی نمبر۔ کل ۱۶۰ صفحات۔ ۵ عدد سادہ و رنگین تصویریں۔ قیمت ایک روپیہ۔ طابع محبوب المطابع برقی پریس۔ ناشر محمد احمد خاں۔ ایڈیٹر عشرت رحمانی۔

نظم: حسن اور راگ، عشرت رحمانی؛ جواہر افکار (اب کہاں صبر کو قرار کا ہوش)، حسرت موہانی؛ نذر بشارت فصل بہار اے صیاد، تاجور نجیب آبادی؛ مطائبات آزاد، آزاد انصاری؛ تکمیل محبت، اکبر حیدری؛ حسنات عالیہ (شرمندہ کیا جوہر بالغ نظری نے)، وحشت کلکتوی؛ افکار عالیہ (جب خوں ریز ہوا غمزہ طرحداروں کا)، فصاحت جنگ جلیل؛ آغوش مادر، راز چاند پوری؛ اثرستان (کاہش میں اب مزا ہے نہ درد جگر میں ہے)، اثر لکھنوی؛ حدیث دل (دنیا کا عشرکدہ ہے خالی یہاں سے رخت سفر اٹھا لے)، احسان بن دانش؛

(باقی صفحہ ۳ پر)

ہماری زبان

یکم دسمبر ۱۹۶۲ء

لسانی اقلیتوں کے لئے سہولتیں

پارلیمنٹ میں لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی چوتھی رپورٹ پیش کرتے ہوئے شری داتار نے جو وزارتِ داخلہ میں وزیر ہیں کہا کہ لسانی اقلیتوں کی تعلیم اور ملازمتوں کے لئے سہولتوں میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ابتدائی منزل پر مادری زبان کے ذریعہ سے لسانی اقلیتوں کو تعلیم دینے کے اصول کو تمام ریاستیں نافذ کر رہی ہیں اور ثانوی تعلیم کی منزل پر اگرچہ علاقائی زبان ذریعہ تعلیم ہے مگر جہاں جہاں ممکن ہو اُن لسانی اقلیتوں کے لئے جن کی معقول تعداد کسی ریاست میں ہے اُن کی مادری زبان میں تعلیم دینے کے مواقع فراہم کرنے ضروری ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ ریاستوں میں ملازمت کے لئے وہاں کا باشندہ ہونے کی شرط بھی غائب ہو رہی ہے۔

یہ تینوں باتیں اچھی ہیں اور ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں، مگر ہمارا اب بھی خیال یہ ہے کہ اصول کو تسلیم کرنے اور اس پر پوری طرح عمل کرنے میں اب بھی خاصا فرق ہے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ اتر پردیش میں ابتدائی تعلیم مادری زبان میں دینے کا اصول نہ صرف مان لیا گیا ہے بلکہ بعض جگہوں پر اس پر عمل بھی ہو رہا ہے، مگر عام طور پر عمل کی رفتار خاصی سُست ہے اور کہیں اس بہانے سے کہ مناسب تعداد میں طلبہ وقت پر مطالبہ نہیں کرتے، کہیں اساتذہ کی کمی کا عذر کر کے، کہیں مالیات میں گنجائش نہ ہونے کا سہارا لے کر اس اصول کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ پنجاب کی حکومت نے بھی حال میں اسی قسم کا ایک اعلان کیا ہے لیکن جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ابتدائی تعلیم کی منزل پر مادری زبان کے ذریعہ سے تعلیم پانے والوں کی تعداد سال بسال کتنی بڑھی ہے، ہم مطمئن نہیں ہو سکتے۔ تعداد کا بڑھنا اس کی علامت ہوگا کہ اصول پر عمل کے لئے تمام ضروری قدم اُٹھائے گئے ہیں۔ اگر تعداد نہیں بڑھی تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ حکومت نے اس کے تقاضے کے لئے پوری کوشش نہیں کی۔

اس طرح ثانوی منزل پر لسانی اقلیتوں کی زبان کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھانے کا سوال نہیں ہے بلکہ اسے ذریعہ تعلیم کے طور پر برتنے کا سوال ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی طرف سے مطالبہ نہ ہو تو کوئی پوچھے گا کہ ایسے اسکولوں کی اجازت کیوں نہیں دی گئی، مگر مطالبہ ہوتا ہے تو کبھی اُسے ناقابلِ عمل کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور کبھی لسانی اقلیتوں کے حق میں مضر بتایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کے مفید یا مضر ہونے کا فیصلہ حکومت یا اکثریت کو کرنے کا حق نہیں، یہ لسانی اقلیتوں کی اپنی مرضی کی بات ہے۔ وہ اگر اپنے لئے یہ ضروری سمجھتی ہیں کہ ثانوی تعلیم ان کی مادری زبان میں ہو تو اس کے لئے مناسب انتظامات ہونے چاہئیں، حکومت کو صرف یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس طرح یہ طلبہ علاقائی زبان میں کمزور تو نہ رہ جائیں گے۔ پھر لسانی اقلیتوں کا خود بھی یہ فرض ہے کہ وہ علاقائی یا سرکاری زبان میں خاصی مہارت حاصل کر لیں تاکہ روزمرہ کے کاروبار اور شہری اور سیاسی زندگی کے فرائض میں کوئی کوتاہی نہ ہو سکے۔ غریب کمشنر کو بہت دن تک ریاستی حکومتوں نے زیادہ اہمیت نہ دی مگر جب یہ ظاہر ہو گیا کہ پارلیمنٹ اور مرکزی حکومت صدر جمہوریہ کے مقرر کردہ اس افسر کی رائے کو نظر انداز نہیں کرتے، تو اب ریاستی حکومتوں کے رویے میں بھی کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تبدیلی کی یہ رفتار اور تیز ہوگی تاکہ قومی یکجہتی کے راستے میں ہر رکاوٹ دور ہو سکے اور لسانی اقلیتوں کو اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اپنی پوری قوت ملک کی ترقی کے لئے صرف کرنے کا موقع ملے۔ رپورٹ موصول ہونے پر ہم ہماری زبان میں اس کے اہم پہلوؤں پر اور تفصیل سے تبصرہ کریں گے۔ اس وقت تو ہم شری داتار کے اس بیان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ لسانی اقلیتوں کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا میلان برابر بڑھتا رہے گا۔

دہلی اور علی گڑھ کے اُردو اور ہندی ادیبوں کا بیان

دہلی اور علی گڑھ کے ہندی اور اُردو کے ادیبوں نے چین کے جارحانہ اقدام کی جس طرح مذمت کی ہے اُس سے یہ بات اور واضح ہو گئی کہ ہمارے ادیب اور شاعر وطن کی آزادی کی حفاظت کے لئے ہر طرح سینہ سپر ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ اس نازک موقع پر قوم کے عزم و اعتماد کو مستحکم کرنے کیلئے، چینی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے، ملک کی عزت اس کی سالمیت اور وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے، عوام کے جوش اور جذبے میں شمشیر کی تیزی پیدا کرنے کے لئے، وہ دل و جان سے تیار ہیں۔ آزادی کے لئے سب سے بڑی چیز ایک پختہ عقیدہ ہے اور اس عقیدے کو ادیب اور شاعر ہی مضبوط کر سکتے ہیں۔ ادیب بھی کارزارِ حیات کے سپاہی ہیں۔ کوئی سپاہی رائفل یا بندوق سے لڑتا ہے اور کوئی ذہن کو بیدار کرتا ہے جذبے کے سیلاب سے عمل کے لئے بجلی تیار کرتا ہے، اپنی شعلہ نوائی سے خوابیدہ چمن کو حرکت اور عمل کا پیام دیتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اُردو کے ادیب اور شاعر دوسری قومی زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں کی طرح بیدار ہیں اور وطن کی آزادی کی حفاظت کرنے اور چینی حملہ آوروں کو اپنی مقدس سرزمین سے نکال باہر کرنے کے لئے، سربکف ہو گئے ہیں۔ آج ہمارے شعر و ادب پر اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے:۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

———:o:———

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ نے اتر پردیش کی لسانی کمیٹی کی سفارشات کو قابل قبول نہیں سمجھا بلکہ اسے مُضر قرار دیا ہے۔

۲۴ر ستمبر کو ایک جلسہ انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کا منعقد ہوا اور اس میں مسٹر حیات اللہ انصاری نے لسانی کمیٹی کی سفارشات کے سلسلے میں وضاحت کی اور ۲۵ر ستمبر کو دوبارہ جلسہ ہوا اور اس میں بھی انھوں نے وضاحت کی۔ اس کے بعد لسانی کمیٹی کی سفارشات پر غور کرنے کے لئے سب کمیٹی کے متعدد جلسے ہوئے اور جب سب کمیٹی نے اپنی رپورٹ انجمن کو سپرد کی تو اس پر غور کرنے کے لئے مجلس عاملہ کے جلسے ۲۷ر اکتوبر، ۹ر نومبر اور ۲۴ر نومبر کو منعقد ہوئے اور دفعہ وار سفارشات اور سب کمیٹی کی رائے پر غور اور بحث و مباحثہ کے بعد مذکورہ بالا تجویز متفقہ طور پر پاس اور منظور کی گئی۔

یہ فیصلہ ریاستی انجمن ترقی اُردو کے صدر، اور سکریٹری نیز آل انڈیا انجمن ترقی اُردو کے تین ممبران کی موجودگی میں کیا گیا۔

(جنرل سکریٹری)

سفارشات:-

اُردو میڈیم اسکول - اُردو تعلیم کے نقطہ نظر سے اردو میڈیم اسکول مکتب اور اسلامیہ اسکولوں کے نام رکھنا مفید ہے۔

رسم خط - بیسک اسکولوں میں کتابوں کی زبان دونوں رسم الخط میں ہونا غیر مفید اور مُضر ہے۔

اُردو ذریعۂ تعلیم - ثانوی اسکولوں میں اُردو کو ذریعۂ تعلیم نہ قرار دینا اُردو کے جائز حق کی حق تلفی ہے۔

ٹیچر - چونکہ کمیٹی نے اُردو پڑھانے والے مدرسوں کی ٹریننگ کے متعلق کوئی سفارش نہیں کی ہے لہٰذا اُردو پڑھانے کا انتظام مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب تک مدرس زبان میں کوالیفائڈ اور طریقۂ تعلیم سے بخوبی واقف نہ ہو وہ طلبہ کو مناسب تعلیم نہیں دے سکتا ہے۔

عدالتوں میں اُردو - کرپلانی کمیٹی نے جہاں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ عدالتوں اور دفتروں میں اُردو کے استعمال کے سلسلے میں جو آسانیاں ہیں وہ اُردو کے حقوق کے تحفظ کے لئے کافی ہیں، وہ رائے صحیح نہیں ہے، اور اس سے اُردو کی حق تلفی ہوتی ہے۔

لٹریری فنڈ - یہ سفارش کہ 'ہندی فنڈ' کا نام 'لٹریری فنڈ' کر دیا جائے مناسب ہے، لیکن اس سے کوئی خاص فائدہ اُردو زبان کو نہیں پہنچا۔

طلبہ کا داخلہ اور اس کے شرائط - کرپلانی کمیٹی نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ اس اصول کی خلاف ورزی جو ہر جگہ متواتر ہوتی رہی ہے اس کے خلاف بھی کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ نرم الفاظ میں حکومت کو توجہ دلائی کہ ذرا ہوشیاری سے کام لے۔

امتحان میں جوابات - اس سفارش میں کوئی نئی بات نہیں پیش کی، بلکہ جو پُرانا دستور تھا اسی پر قائم رہنے کی سفارش کی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ ہندی کے علاوہ اُردو زبان میں امتحانات کے جوابات دینے کی اجازت بہت دشواری سے ملتی ہے اور اس کے بارے میں نہ کوئی سفارش کی اور نہ حکومت کی توجہ اس طرف مرکوز کی۔ یہ ایک طالب علم کا حق ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں امتحانات کے سوالات کے جوابات دے۔ اور اس حق سے چشم پوشی کرنا کمیٹی کی غلطی تھی جو اُردو کے لئے سخت مُضر ہے۔

سہ لسانی فارمولا - سہ لسانی فارمولے کے بارے میں جو سفارش کرپلانی رپورٹ نے کی ہے وہ بھی قابل اطمینان نہیں ہے، اور اس کی زبان بھی واضح نہیں ہے۔ یہ کھلے الفاظ میں کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ اُردو بھی اس سہ لسانی فارمولے کے تحت، دوسری زبانوں کے تحت آتی ہے، بلکہ صرف کانسٹی ٹیوشن کی دفعہ کا حوالہ دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ جو اصرار ریجنل لنگویج اور مادری زبان دونوں پر کیا گیا ہے وہ اُردو کے لئے سخت مُضر ہے۔

تجویز - "انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اتر پردیش لسانی کمیٹی کی ان سفارشات کو جو کہ اُردو کے سلسلے میں شایع ہو چکی ہیں، اُردو زبان کی بقا، توسیع، اور ترویج کے لئے کچھ باتوں کو چھوڑ کر مجموعی طور پر قابل قبول نہیں بلکہ مُضر سمجھتا ہے۔"

تجویز متفقہ طور پر پاس ہوئی۔ جناب حیات اللہ انصاری، بیگم سلطانہ حیات، بیگم زیبا صلاح الدین، اور محمد خضر زبیری نے رائے نہیں دی۔

شرکاء جلسہ:- پنڈت آنند نرائن ملا (صدر)، محمد حسین خاں عرشی، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی (جنرل سکریٹری)، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی (صدر ریاستی انجمن)، حیات اللہ انصاری، بیگم سلطانہ حیات (سکریٹری و جوائنٹ سکریٹری ریاستی انجمن)، ڈاکٹر محمد لیسین، وحید الرحمان عرفانی، محمد جعفر مرزا، سید فدا حسین، سید امیر حسن نورانی، ڈاکٹر انوار الحسن صدیقی، بیگم زیبا صلاح الدین، محمد خضر زبیری۔

(دستخط) آنند نرائن مُلّا

۲۴ر نومبر سنہ ۱۹۶۲ء

کیلاش ماہر

"وادیٔ گل سرسبز رہے گی"

"سو سو غنچے !"
رنگ و بو کا جال بنائے
گلشن گلشن !
اپنے اپنے رنگ محل میں
جیون کے سنگیت میں جیسے کھوئے ہوئے ہیں"
کتنا بھیانک سپنا تھا یہ !
گلشن گلشن —
خون کی مہکیں لپٹیں اڑتیں
کیاری کیاری موت کھڑی ہے !
خاک و خوں میں لتھڑے غنچے
خنداں خنداں
عزم و یقیں کے ترانے سنائے
جاگ رہے ہیں !
ہمت کا دیو !
شعلۂ گل بن کے آئی اپنی آگ میں جل جانا
وادیٔ گل سرسبز رہے گی !

گوہر جیلانی

اے میرے وطن

اے مرے پیارے وطن اے مرے دل کی دھڑکن
آہ پھر رخ پہ ترے اڑنے لگی گرد ملال
یوں تری سمت درندوں کے قدم اٹھیں گے
یہ تو بھولے سے بھی مجھ کو نہیں آیا تھا خیال
لیکن اے پیارے وطن، تو خبر ہے تجھ کو
تو مری جان ہے اور جان سے بڑھ کر کیا ہے
اس طرح دیکھ کے افسردہ و حیراں تجھ کو
اے مری جان، مرا سینہ پھٹا جاتا ہے
اے وطن تو نے ہی تو زیست عطا کی ہے مجھے
میں اسے تجھ پہ لٹا دوں تو بڑی بات نہیں
تیری عزت کے لئے تیری حفاظت کے لئے
اپنا سب کچھ بھی گنوا دوں تو بڑی بات نہیں
آج میں اپنی جوانی کی قسم کھاتا ہوں
ان درندوں کو ترا سایہ نہ چھونے دوں گا
دھجیاں ان کی فضاؤں میں اڑا دوں گا میں
ہر نشاں ان کے [illegible] دوں گا
اے مرے پیارے وطن اتنا بھی افسردہ نہ ہو

"... hundred Flowers Bloom!"

ساحر ماتقوی

ظفر کی یاد میں

(۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو بہادر شاہ ظفر کی صد سالہ برسی کے موقع پر شہنشاہ مرحوم کو خراج عقیدت)

سلام اُس حسن رسیدہ سوزِ داستانِ دل کو
کہ دی ترجیح جس نے تاج پر طوق و سلاسل کو
سلام اس پر جسے پروا نہ تھی شمشیر دشمن کی
دلوں میں جس نے آزادی کی پہلی شمع روشن کی
سلام اُس پر کہ جو قوم کا احساس تھا جس کو
وطن کی آبرو کا ہر قدم پر پاس تھا جس کو
عروسِ قومیت کو عزم کا زیور دیا جس نے
تقاضائے دلِ بھارت کو پورا کر دیا جس نے
دلِ ہندو و مسلم کو بنا کر مستقل جس نے
بنایا خانہ جنگی کا نظام مضمحل جس نے
اٹھا جو وقت کی نبضوں میں خونِ گرم دینے کو
تلاطم خیز موجوں میں سفینہ اپنا کھینے کو
دکھائی راہ جس نے قیصریت سے بغاوت کی
ضعیفی میں بھی جس نے قوم و ملت کی قیادت کی
نچھاور کر کے ناموسِ وطن پر تخت و تاج اپنا
دکھایا جس نے شاہی میں فقیرانہ مزاج اپنا
ہمیں اس سورما کو آج دل سے یاد کرنا ہے
کہ جنگی بیڑیوں سے ہند کو آزاد کرنا ہے
بہادر شاہ نے جو راستہ ہم کو دکھایا ہے
اب اس پر گامزن ہونے کا موقع ہاتھ آیا ہے
اٹھو للکارتے اے جاں نثارانِ وطن اٹھو
لئے تلوار اور باندھے ہوئے سر سے کفن اٹھو
اٹھو اور اٹھ کے قومی ایکتا کی شان دکھلا دو
اٹھو اور چینیوں کو زورِ ہندستان دکھلا دو

غزلیں

طالب جے پوری

دل کو کچھ غم بھی نہیں، پھر بھی یہ مسرور نہیں — چاندنی چاند سے ہے دنیا میں مگر نور نہیں
دل نے پایا ہے غرور بھی کچھ ایسا ورنہ — عشق مجبور سہی حسن تو مجبور نہیں
رنگ لائی ہے مقدر کی سیاہی یارب — [illegible] دستور نہیں
ساحل [illegible] — [illegible] نہیں

سید حسن علی افسر

درد دل سے گزر نہ جائے کہیں — دیکھئے دل تڑپ نہ جائے کہیں
[illegible] دیوانہ — منزلوں سے گزر نہ جائے کہیں
[illegible] — یہ بھی امید مر نہ جائے کہیں

ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

مولوی انصار حسین زلالی بدایونی

مولوی انصار حسین زلالی بدایوں کے ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد کا شمار بدایوں کے ممتاز وکلاء میں تھا۔ زلالی کی پیدائش بدایوں میں ۱۸۵۷ء میں ہوئی اور خاص اس شب ہوئی تھی جب کہ انگریزوں کے بنگلوں میں بدایوں میں آگ لگائی گئی تھی۔ زلالی نے فارسی، عربی اور اردو کی تعلیم بدایوں میں حاصل کی اور اس کے بعد مختار کاری کا امتحان پاس کیا۔ چالیس سال تک عدالت ہائے دیوانی بدایوں میں وکالت کی۔ آپ کا شمار ممتاز وکلاء میں تھا۔ آپ کی وفات پر عدالتہائے دیوانی میں تعطیل رہی۔ مولانا حالی سے پندرہ سال کی عمر میں مشورہ سخن کیا۔ حالی کے شاگردوں میں، خوش محمد ناظر، ڈاکٹر منوہر سہائے انور اور آپ زیادہ مشہور ہوئے۔ اکثر مولانا حالی کے پُر خلوص خطوط آپ کے پاس آتے رہتے تھے مگر اب ان کا پتہ نہیں یا تو کہیں مخلوط ہوں گے یا تلف ہو گئے۔ اکثر مکتوبات میں الفاظ کی تحقیقی بحث ہوتی تھی۔ بیخود دہلوی حسرت موہانی، ساحر دہلوی، احسن مارہروی، بیباک شاہجہانپوری، محو بریلوی، فانی بدایونی اور حلم بریلوی آپ کے ہم عصر تھے اور آپ سے بہت خصوصیت تھی۔ فانی کے سب سے پہلے دیوان (مطبوعہ کشور پریس بدایوں) میں آپ کا قطعہ تاریخ ہے۔ بیخود دہلوی کے آخری مطبوعہ دیوان میں آپ کی ایک غزل کی تضمین ہے اُس غزل کا مقطع یہ ہے:۔

اے زلالی اُس پہ کیا کرتا اثر میرا کلام
میں کوئی حالی نہ تھا غالب نہ تھا جبول نہ تھا

بیخود کے مصرعوں کا تیسرا مصرعہ یہ ہے:۔

"ہوں تو میں بیخود مگر انصاف لیتا ہوں کام"

بدایوں کے علاوہ دہلی، میرٹھ، بریلی وغیرہ کے کئی مشاعروں کی صدارت کی۔ بدایوں کا یادگار (آل انڈیا) مشاعرہ جو ۱۹۲۲ء میں حسب ذیل طرح پہ ہوا تھا۔

"مزار داغ پہ آنسو بہانے دھوم آئے"

جس میں احسن مارہروی، بیخود دہلوی، ساحر دہلوی، جوش ملیح آبادی، بیباک شاہجہانپوری وغیرہ و نیز شعرائے مدراس کلکتہ لاہور بمبئی حیدرآباد دکن اورنگ آباد ناگپور ڈھاکہ نے شرکت کی تھی جس کا مطبوعہ گلدستہ "صبح بدایوں" (مطبوعہ عثمانی پریس بدایوں) ہے اُس کی صدارت بھی آپ ہی نے فرمائی تھی۔ یہ آخری صدارت تھی اس کے چند ماہ بعد ۱۹۲۳ء میں آپ نے وفات پائی۔

مطبوعہ تصانیف میں علاوہ دیگر متعدد قصائد نعت و منقبت کے حسب ذیل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) "تابِ عشرت" یہ قصیدہ غالب کے قصیدے کی زمین میں ہے اس کا مصرع اول ہے "تابِ عشرت اہل عالم پر کھلا"

(۲) "ساغر زلالی" یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے جس کی ابتدا ساقی نامہ سے کی گئی ہے اور پھر اصل مدح و منقبت کی طرف گریز کیا ہے تشبیب و گریز کے چند اشعار قابل ملاحظہ ہیں:۔

جلوہ ریزی سے تاب کو جو سا ابر
اللہ اللہ تری وہیں خدا سے اکبر
یہ نہ وہ مے ہے جو میخانۂ جم سے آئے
نہ وہ بادہ ہے کہ تھا غازۂ روئے قیصر
نہ وہ مے جس پہ عرق ریزی انگور کا بار
نہ وہ مے جو ہو زبونی کشش سعی دیگر
نہ وہ مے جس سے ہوئی زینت بزم بہرام
نہ وہ مے جس نے کیا تھا دل پرویز میں گھر
نہ وہ مے جس کے لئے ابر ہوا کو تاکیں
نہ وہ مے جس کے لئے موسم گل ہو بہتر
ہے وہ مے جس کے لئے خلق میں انساں آیا
ہے وہ مے جس کا سزاوار ہے ظرف بشر
جوش آیا تھا جسے شعب ابوطالب میں
جس نے دکھلائے تھے کچھ عاجزا میں جوہر
جس کا ساقی ہے کرم گستر و فیاض و جواد
محسن خلق خدا، شان خدا کا مظہر

(۳) "نشۂ ہشیاری" یہ ایک مخمس ہے جس میں آپ نے چند مخصوص احباب کا ذکر کیا ہے۔ ایک بند مثال کے طور پر پیش ہے:۔

دیں بیخود و سائل بھی تحسین زباندانی … آہنگ تجویز کہیں بیں لیں جو کہیں خاقانی
بیباک بھی فرمائیں یہ نظم ہے لاثانی … احسنت کہیں احسن کہیں فسوں خوانی
ناچیز کی محنت کے ہوں محو بھی اقراری

(۴) "پیغمبر کی مدح" یہ ایک مسدس ہجرت نبی کے حال میں ہے اس میں تقریباً ۱۵ بند ہیں اور کہیں عطف یا اضافت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر پہلا بند پیش ہے:۔

اُردو ہے جس کا نام وہ میری زبان ہے … ابجاد جس کو کہئے وہ میرا بیان ہے
مانا مجھے جہان نے یہ میری شان ہے … سب مہربان ہیں جو خدا مہربان ہے
یہ اوج یہ عروج بڑی بات تو نہیں
کچھ شاعری کسی کی کرامات تو نہیں

زلالی کا شمار بدایوں اسکول کے ممتاز اساتذہ میں ہے آپ غزل اور نظم دونوں میں استادی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ امر حقیقت ہے کہ مولانا حالی کے شاگردوں میں ڈاکٹر منوہر سہائے انور کے علاوہ آپ سے بہتر کہنے والا کوئی نہیں ہوا۔ کلام پختہ زبان شستہ ہے۔ اکثر غزلوں میں غالب کی طرح بلند تخیل پایا جاتا ہے سارا کلام بے ساختگی اور آمد کا آئینہ دار ہے اکثر اشعار سہل ممتنع کی نادر مثال ہیں۔ اُردو شاعری میں حقیقت …

کی بہت کمی ہے، مگر آپ کے کلام میں یہ چیز حسن تخیل کے ساتھ موجود ہے، اور استدلال نہ صرف شاعرانہ ہے بلکہ منطقی۔ قصائد نگاری میں ذوق و محسن کاکوروی کی طرح ید طولیٰ حاصل تھا۔

زلالی کی غزلیات کا کچھ انتخاب ملاحظہ فرمائیے، بعض اشعار بطور ضرب المثل زبان زد ہونے کے قابل ہیں۔

وہ اور ہوں گے جو مقتل سے سرخرو آئے
زلالی ہم تو لیے نقش آرزو آئے
حیات و موت میں چوٹیں چلیں برابر کی
ادھر سے آئے قضا تو ادھر سے تو آئے

بہرہ اندوز خیالات پریشاں ہونا
اس کا مفہوم ہے مخلوق میں انساں ہونا
یہ تمنا ہے کہ اب دل میں تمنا نہ رہے
قطع امید سے ہے چارۂ حرماں ہونا

دس خطا بخشنے والے کا بھی منہ تکنا ہے
جاؤ اے شیخ نہیں ہیں تو گنہگار ہیں ہم
کون جانے کہ کہاں جائیں گے کہ جائیں گے
یہ خبر ہے کہ سفر کے لئے تیار ہیں ہم

متاع زیست مجھے چاہئے کہاں کے لئے — یہ پیشکش ہے کسی اپنے مہرباں کے لئے
نہ سود مند محبت ہوئی کہیں لیکن — ہمارا حال سبق ہو گیا جہاں کے لئے

وہی کمی ہے توقع نہ غم بٹانے کی — زلالی دیکھ لی ہم نے روش زمانے کی
محال ہے کہ کبھی گھر میں کوئی کو دے — مگر کمال محبت تھی آشیانے کی

بار عروج آج بشر شادماں نہ ہو — کل کی کسے خبر ہے کہاں ہو کہاں نہ ہو
نکلے ہیں جستجوئے حیات دوام میں — مرنے کا کشتگان ستم پر گماں نہ ہو

لایا انھیں جلال و غضب پیچ و تاب میں
میں کیا پڑا وہ آپ پڑے ہیں عذاب میں
میخانہ کا طواف ہے توبہ زباں پہ
پرہیز ہے شراب سے نیت خراب میں

ضرور دیکھئے

[illegible]

بقیہ

اردو رسائل کے چند خاص نمبر

نوائے عرشی (گلشن و شاہد و شراب نمبر)، عرشی رام پوری؛ عید مبارک، عشرت رحمانی وغیرہ؛ ساقی نامہ، ساغر قریشی؛ خلیق فیض آبادی، مہر رام پوری، شمس رام پوری، اور راز دہلوی کی ایک ایک غزل؛ سمندر پر چند لمحے، احمد اللہ قادری؛ وطن سے عہد، ہمہ صبا (ماڈلے)۔

نثر: ہندوستان اور فنون لطیفہ، اکبر حیدری؛ شاعری اور غور و فکر، محمد حسین ادیب؛ نواب الٰہی بخش خاں معروف دہلوی، عرشی رام پوری؛ شگفتہ، عشرت رحمانی؛ اشاعت، نامعلوم؛ واقعات، اکبر حیدری؛ سنہ ۱۹۳۰ء کا عشق، ع۔ ر۔؛ گمشدہ دلوں کی کہانی، ایم اسلم؛ پہلا شاہکار، عشرت رحمانی؛ سودائے خام، پریم چند؛ دنیا کی پہلی دعا، شعری انصاری؛ بادشاہ کی موت و زندگی، طاہر غلام ناصر خاں؛ خرقہ آبا ضبین، عیش امروہوی؛ نورالدین جہانگیر اور نور جہاں، حفیظ ثروتی؛ سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی درآمد برآمد، ظفر قریشی؛ عہد کی چوتیاں، غماز؛ گڑیاں، سلطان حیدر جوش؛ لقمان صحرائی، مولانا نگار؛ ملا ناصرالدین اصفہانی، سہیل نبیلی؛ مہاتما گاندھی اور مشر کیا کر، رجائی؛ مقصد حیات (ترجمہ)، مختار؛ جد و جہد، سیدہ اصغری بیگم؛ نامۂ محبت، مس مہر آرا؛ بدگمانی کا نتیجہ، ضیا بانو؛ موتمد کار، قیصر عشرت رحمانی؛ محبت کا مجرم، مس فاطمہ بیگم؛ اشتہارات۔

صفحہ ۱۰۴ پر "مرقع چغتائی" کا اشتہار شیخ مبارک علی تاجر کتب کی طرف سے۔ تیسرا ایڈیشن، قیمت بارہ روپے۔ حجم ۲۰۰ صفحات سے زیادہ۔ صفحہ ۱۰۴ پر "جگر کے شعلۂ طور" اور "اصغر کے سرود شعر" نامی دو کتابوں پر تبصرہ، شائع کردہ مکتبہ جامعہ۔ صفحہ ۱۰۶ پر "سرگزشت اسیر" کا اشتہار، ہاشمی بک ڈپو، لاہور، کی طرف سے جو وکٹر ہیوگو کی کسی تصنیف کا اردو ترجمہ "سعادت حسن" کے قلم سے ہے۔

نیرنگستان (دہلی)

خاص نمبر، جنوری ۱۹۳۰ء۔ قیمت ایک روپیہ۔ کل ۱۵۲ صفحات۔ رنگین مصور سرورق، گیارہ عدد رنگین و سادہ تصویریں۔ متعدد کارٹون۔

حصۂ نثر: پیغام، نواب احمد یار خاں؛ نیرنگستان (ادارہ)؛ اردو کی تاریخی نشوونما (ادارہ)؛ ہم شعر کس طرح کہتے ہیں، بسمل، وحشت، احسن، کیفی، عشرت لکھنوی، سعید بدایونی، اکبر حیدری، فکر، راز چاندپوری کے خود نوشت بیانات؛ مشاہیر اردو کی غیر مطبوعہ تحریریں، غالب، اکبر الہ آبادی، اقبال وغیرہ؛ علاج الشعر، ادیب الملک؛ فدائے آزادی

ناظر جعفری؛ بدن کی حکومت، مہاتما مندرشن؛ مصیبت یا سکون؛ رحمانی؛ غلط فہمی، مترجم حبیب احمد بنگالی؛ سیاہ گلیوں کی نگینیاں؛ عرشی رام پوری؛ پڑوسن، اعظم کریوی؛ محبت کا بہترین زمانہ، مترجم شفیع الدین نیر؛ بھول نہ جانا، محمد تقی؛ عید کا چاند، جمیل بشیر؛ کی شاعری، وقار عظیم؛ افسانہائے عشق، شہاب مالیر کوٹلوی؛ اکیسویں صدی کا روزنامچہ، مولوی عبدالواحد؛ بارِ خاطر، مترجم عشرت رحمانی؛ سازش یا پلاٹ، اظفر قریشی؛ جدید طریقۂ تعلیم کا عروج، ایڈیٹر؛ نیرنگِ انسواں، قیصر عشرت؛ مطالعۂ کتب، مس تاج محل؛ حسن اتفاق، مہر آرا؛ خالہ، اے قمری بیگم؛ جادوگر، سوشیلا گند؛ دروحعن؛ حرماں نصیب، محمود اسحاق؛ نیرنگ نظر (ریویو)، ایڈیٹر۔

حصۂ نظم: افسانۂ گل و بلبل، سعید بریلوی؛ جوبان رنگ و بو، عشرت رحمانی؛ جامِ نوروز، راز چاندپوری؛ کشتیٔ حیات، عشرت رحمانی؛ پہلا پیار، عشرت رحمانی؛ افکارِ پریشاں، عشرت رحمانی؛ اشتیاقِ عید، بہت عجب چند صبا شرما؛ ہلالِ عید، صبا شرما؛ زمانہ کی عید، عشرت رحمانی؛ عید کا چاند، کلیم سلطان پوری؛ کیفیات (بے وہ وارہستی کی ذات کے سمندر میں)، وفا ترمیہ کیفی؛ افکارِ آزاد، آزاد انصاری؛ رشحات (زخم میں لطافت خلش درد میں لذت ہوتی وحشت)، احسن الکلام، احسن مارہروی؛ افکارِ عالیہ (غبارِ الفت کا راز کیا جانے)، فصاحت جنگ جلیل؛ اثرستان (وہ درد جس میں کیف ہو شامل کہیں نہیں)، اثر لکھنوی؛ جذباتِ عالیہ (ہم نہ سمجھے نہ کوئی صاحبِ عرفاں سمجھا)، عزیز لکھنوی؛ پیغامِ شباب، احسان دانش؛ جذباتِ مہر، مہر رام پوری۔

نیرنگستان کے زیر عنوان اداریہ سے ایک اقتباس:۔

حال میں منشی پریم چند صدر ہندی پرچارنی سبھا نے اپنی صدارتی تقریر میں خیالی قلعے بناتے ہوئے اردو کی مخالفت میں جو بیان کیا ہے کہ "لطف یہ ہے کہ لفظ ہندی خود مسلمانوں کا ایجاد کردہ ہے۔ پچاس سال پہلے خود مسلمان بھی اردو کو ہندی کہتے تھے۔ اب ہندی کو قدرتی نام کیوں نہ خیال کیا جائے" بجا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کا منشا ہندی مشترکہ زبان کی ایجاد کرنا اور اس کو مشترک طور پر رواج دینا تھا

کسی کو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں مگر سوال یہاں یہ ہے کہ ہندی کے بہی خواہ اردو کی مخالفت کے لئے اس ہٹ دھرمی پر کیوں تلے ہوئے ہیں کہ رسم الخط دیوناگری ہو جب کہ اردو کو وہ ہندی زبان سمجھتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے۔ منشی صاحب کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ اردو کا نام اس زبان میں اس لئے غلط ہے کہ ملک کا نام اردوستان نہیں ہندوستان ہے! لیکن جہاں بقول منشی جی ہندو اور اردو کو مخالف بننا ناانصافی ہوگا وہاں رسم الخط کے لئے لڑنا اور اردو رسم الخط کو مٹانے کے لئے حیلے بہانے تلاش کرنا بھی کوئی انصاف نہ ہوگا۔ سنجیدہ اردو نواز فرقے کے کسی ایک فرد کا بھی یہ خیال نہیں کہ "اردو نام" کے لئے متعصبات کی کشمکش میں پڑا جائے۔ ہندی زبان سے ہمیشہ سے مسلمان بادشاہوں کو بھی ہمدردی رہی ہے اور انھوں نے جیسا منشی پریم چند نے اپنی تقریر میں اعتراف کیا ہے ہندی کو نوازا ہے اور مسلمان مصنفین نے ہندی نظموں میں برابر طبع آزمائی کی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ ہندی کی مخالفت مسلمانوں نے ان کے قول کے مطابق کبھی نہیں کی۔ اور یہی وہ حقیقت کا جادو ہے جو سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔ منشی صاحب کہتے ہیں "قوم سے محبت کرنے والا لفظوں کے لئے نہیں لڑتا" لیکن لطف یہ ہے کہ وہ خود اور ان کے ہوا خواہ لفظوں کے لئے لڑ رہے ہیں اور رسم الخط کا جھگڑا اُبھار رہے ہیں۔ ہاں اگر مسلمان صرف اردو کو اپنی زبان کہیں تو یہ غلطی ہے اور ایک تنگ نظر اور شہرت طلب طبقے کی یہی بے راہ روی زبان کو شدید نقصان پہنچا رہی ہے۔

مراسلات

کرپلانی کمیٹی کی رپورٹ

جناب ایڈیٹر صاحب ہماری زبان تسلیم۔ آپ کے اخبار مورخہ ۱۵ نومبر ۶۲ء میں جناب عبدالحنان مظاہری گورکھپور کا ایک مضمون کرپلانی کمیٹی کی رپورٹ پر طبع ہوا ہے۔ اس میں بعض امور قابل تشریح ہیں امید ہے کہ آپ میری ان گذارشات کو شائع فرمائیں گے۔

(۱) عبدالحنان صاحب فرماتے ہیں کہ "عرصے کے شور وغل کے بعد اتر پردیش کی حکومت نے اُردو کی ترویج اور ترقی کا جائزہ لینے اور مفید مشورے دینے کے لئے ایک پندرہ نفری کمیٹی محترم آچاریہ کرپلانی کی صدارت میں اپریل ۱۹۶۱ء میں بنائی تھی" یہ بالکل صحیح ہے مگر افسوس کہ کمیٹی کے وہ ممبران جو اُردو والے کہے جاتے ہیں انھوں نے اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیونکہ وہاں ایک جدید فلسفے نے جنم لیا کہ حکومت کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے اور اُردو والوں کو ہندی والوں کے رحم وکرم پر رہنا چاہیے۔

(۲) مضمون میں کہا گیا ہے کہ "اگر کمیٹی کی کل سفارشوں کو بالکل ہی رد کر دیا گیا تو اُردو کا معاملہ ایک عرصے تک بدستور سابق معلق رہ جائے گا" اس کے بارے میں عرض ہے کہ سفارشات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) احکام مجریہ حکومت کا اعادہ (۲) سفارشات۔ نمبر ۱ اپنی جگہ پر ہیں اور رہیں گے وہ نہ کمیٹی کی تصدیق و توثیق کے محتاج تھے اور نہ کمیٹی کو ان میں ترمیم کا حق تھا۔ کمیٹی اتر پردیش میں اُردو کی پوزیشن طے کرنے کے لئے نہیں بنی تھی بلکہ اغراض وہ تھے جو خود مضمون نگار صاحب نے اوپر لکھے ہیں۔ باقی رہیں سفارشات وہ کل کی کل لائق تنسیخ ہیں۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو پس وپیش میں پڑ گئے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ غلط فہمی ہے کہ رپورٹ کے منسوخ ہونے سے احکام مجریہ حکومت بھی منسوخ ہو جائیں گے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

(۳) میں نے بہت تلاش کی کہ کوئی ایک بھی سفارش رپورٹ میں ایسی مل جائے جو اُردو کے لئے مفید ہو اور احکام مجریہ حکومت میں موجود نہ ہو مگر مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ احکام مجریہ حکومت ناکافی ہیں اور پندرہ سال کی جدوجہد کے بعد ابتدائی دور سے بھی پیچھے چلے جانا کہاں تک قابل برداشت ہے یہ بھی بھولنا نہ چاہیے کہ حکومت کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ کمیٹی اُردو زبان کے مسئلے پر اس حیثیت سے غور کرے کہ آیا اسے زندہ رہنے دیا جائے یا نسیاً منسیاً کر دیا جائے یہ تو ہمارا احساس کمتری ہے جو ہم اس لائن پر سوچتے ہیں۔

(۴) فاضل مضمون نگار نے چند ترمیمات پیش کی ہیں ان پر بھی ایک نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔

(الف) میں یہ کہا گیا ہے کہ مکاتب اسلامیہ کا نصاب جمعیۃ علمائے ہند یا ایسی کوئی جماعت بنائے۔ رول ۱۹۱ ایجوکیشن کوڈ کی رو سے تسلیم شدہ مدارس کا وہی نصاب ہو سکتا ہے جو ڈائرکٹر محکمۂ تعلیمات کا منظور کردہ ہو۔ رول ۱۵۱ و ۵۲ و دیگر ضوابط ایجوکیشن کوڈ کی رو سے مکاتب اسلامیہ کی ایک نصاب کمیٹی زیر نگرانی انسپکٹر محمڈن اسکولز تھی اور ان کا نصاب منظور شدہ تھا اور مسلمانوں کو (جن کے یہ مکاتب اسلامیہ پرائیویٹ امدادی اسکول تھے) اس نصاب سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ آزادی کے بعد یہ کمیٹی معطل سی ہو گئی تھی۔ اسی کمیٹی کو بحال بنانا زیادہ موزوں ہوگا۔ ابھی حال میں دینی تعلیمی کونسل کا ایک وفد ڈائرکٹر محکمۂ تعلیمات سے ملا اور پندرہ جلدیں اپنے مطبوعہ نصاب کی دے کر استدعا کی کہ وہ اس کو دکھلا لیں اور منظوری دے دیں۔ مگر یہ استدعا منظور نہیں ہوئی۔ سفارشات کے پیراگراف ۹ میں کہا گیا ہے کہ مکاتب کی درسی کتابیں وہی ہونی چاہئیں جو بیسک پرائمری اسکولوں کی ہیں، اور پیراگراف ۱ میں کہا گیا ہے کہ مکاتب کا نصاب منظور شدہ ہونا چاہیے جو غلط ہے کیونکہ مکاتب کا نصاب تو منظور شدہ تھا ہی۔ اس لئے جو ترمیم پیش کی گئی ہے وہ ترمیم نہیں ہے بلکہ ایک علیحدہ تجویز ہے جو ضمناً اس سلسلے کی سفارشات کی تنسیخ کرتی ہے۔

(ب) میں اسلامیہ اسکولوں کے اساتذہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی اول زبان اُردو ہونی چاہیے۔ یہ تو ظاہر ہے اور ایسا تو ہے ہی مگر اسلامیہ اسکول مسلمانوں کے سیکولر اسکول ہیں ان کے نام کی تبدیلی وغیرہ کے بارے میں جو سفارشات کی گئی ہیں وہ اس ڈھانچے کو ختم کر دیتی ہیں جو دفعہ ۹ ایجوکیشن کوڈ کی رو سے مسلمانوں کے مذہبی و کلچرل امور کی حفاظت کے لئے بنا تھا۔ اصل سوال اس ڈھانچے کے قیام و بقا کا ہے۔ یہ معاملات ایک مذہبی اقلیت سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ لسانی اقلیت سے اور اس لئے کمیٹی کے حدود اختیارات سے باہر تھے۔ مسلمانوں کے مستند اداروں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ ان میں تبدیلی نہیں چاہتے۔ پھر مسلمانوں کے مخصوص معاملات میں انجمن ترقی اُردو کیوں دخل دے۔ مسلمان جانیں اور حکومت جانے۔ اس سلسلے میں اس واضح غلطی کا ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ پیراگراف ۱۰ میں پرائمری مدارس ملحقہ عربی و فارسی اسکول (جن کا بھی ان کی ضرورت کے مطابق ایک منظور شدہ نصاب تھا) کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ ان کا نصاب وہی ہو جو مکاتب اسلامیہ کا ہو اور چونکہ مکاتب اسلامیہ کے لئے کہا گیا ہے کہ ان کا نصاب وہ ہو جو بیسک پرائمری اسکولوں کا ہو اس لئے ان کا بھی نصاب وہی ہوا جو بیسک پرائمری اسکولوں کا ہے آخر یہ بچے وہ نصاب کیوں اختیار کریں جو ان کا ہے جو درجہ ۵ سے ذریعہ ہندی تعلیم پاویں گے۔ ان بچوں کو تو درجہ ۵ کے بعد فارسی یا عربی پڑھنی ہے۔

(ج) میں مکاتب اسلامیہ کی امداد بڑھانے کی بات ہے یہ بھی ترمیم نہیں ہے۔ "مکاتب اسلامیہ اور اسلامیہ اسکول" کے عنوان سے

بجٹ میں ایک رقم ہے یہ پہلے ایک مستقل مد تھی اب ضمنی مد پرائمری ایجوکیشن کی کردی گئی ہے جس سے روز بروز یہ رقم گھٹ رہی ہے۔ مکاتب مدارس اسلامیہ کو اسی مد سے امداد ملتی ہے۔ امداد بڑھے گی تو اسی رقم سے بڑھے گی اور ظاہر ہے کہ مکاتب کی تعداد کم ہو جائے گی۔

(د) میں وہ غلط فہمی ہے جو بعض ناواقف اہل قلم نے پھیلائی ہے یعنی لوکل باڈیز اسلامیہ اسکولوں کا خرچ اٹھاتے ہیں قطعی غلط ہے۔ حقیقت اوپر درج کی گئی رقم گورنمنٹ سے منظور شدہ ہے۔ لوکل باڈیز صرف انتظام کرتی ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ کمیٹی کو مالی بوجھ ڈالنے کا اختیار نہیں دیا گیا تھا۔

بقیہ ترمیمات رپورٹ کی بہت سی سفارشات کی تنسیخ کرتی ہیں ترمیم کوئی بھی نہیں ہے۔

(ہ) یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بیسک پرائمری اسکولوں کے نصاب سے مسلمانوں نے گذشتہ دس سال کے اندر اپنی سخت بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ اور ان امدادی مکاتب اسلامیہ سے قطع نظر دینی تعلیمی بورڈ اور دینی تعلیمی کونسل نے پانچ ہزار سے زائد آزاد و معیاری پرائمری مکاتب کھولے ہیں سیکڑوں کانفرنسیں ہوئی ہیں ضلع وار شاخیں قائم ہیں اس سے اندازہ ہوگا کہ اگر سرکاری مکاتب اسلامیہ کے نام بدل کر "نجی انتظام سے چلنے والے اردو اسکول" کر دیا گیا اور ان کا جو منظور شدہ نصاب ہے اسے منسوخ کر کے پرائمری بیسک اسکولوں کی درسی کتابوں کے رائج کرنے کا قانون بنا دیا گیا تو یہ انسٹی ٹیوشن ہی ختم ہو جائے گا کیوں کہ اس کی بقا کا انحصار اس پر ہے کہ مسلمان مکاتب کھولیں، عمارت بنائیں، سامان فراہم کریں اور تب امداد کی درخواست دیں۔ شرائط مندرجہ بالا کی موجودگی میں قطعی ناممکن ہے پھر کل پرائمری ایجوکیشن بجٹ کی یہ رقم صرف ۴۰۰۰ روپے ہے۔ اس کے علاوہ جو دینی تعلیمی کانفرنس اترپردیش لکھنؤ میں ۵ رجون کو منعقد ہوئی اس میں ایک طویل تجویز اس موضوع پر منظور ہوئی ہے جو حکومت کے زیر غور ہے اور دینی تعلیمی کونسل کا ایک وفد بھی وزیر تعلیمات سے مل چکا ہے۔ گذشتہ پندرہ سالوں میں یہ مکاتب بڑی مشکلات سے گذرے ہیں اور اگرچہ ان کی تعداد کم ہو گئی ہے مگر یہ زندہ ہیں اب دستور کی آرٹیکل ۳۰ (۱) اور کیرل ایجوکیشن بل پر سپریم کورٹ کے فیصلے نے ان کی پوزیشن مضبوط کر دی ہے ان پندرہ سالوں میں انجمن ترقی اردو نے ان میں کوئی دلچسپی اس لئے نہیں لی کہ یہ ایک فرقے کے اسکول ہیں تو اب ان کے قتل کی سازشی دستاویز پر دستخط کر کے وہ خواہ مخواہ غیر ہر دلعزیزی کیوں مول لے۔ اور جو تحریک اس ریاست کے مسلمانوں نے ان کے احیاء جدید کی شروع کی ہے اس کی پیٹھ میں خنجر کیوں بھونکے؟

اس لئے میرا اعتراض ہے کہ یہ حصے یک قلم رپورٹ سے خارج ہو جانے چاہئیں یہ مسلمانوں کے مخصوص معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور لسانی کمیٹی کے حدود اختیار سے باہر تھے۔ مسلمان جانیں اور حکومت جانے۔

(۶) عبدالحنان صاحب کی ان ترمیموں کے بعد رپورٹ میں بہت سے اہم نقائص رہ جاتے ہیں مثلاً اردو کی درسی کتابوں میں صفحہ بہ صفحہ وہی عبارت دیوناگری رسم خط میں بھی لکھی جائے۔ ثانوی سطح پر ٹیچروں کی ٹریننگ کے موجودہ انتظامات میں تعلیمی نقطۂ نظر سے رد و بدل کی ضرورت نہیں ہے۔ ثانوی سطح پر سرکاری زبان ہی بدستور ذریعہ تعلیم رہنی چاہئے۔ وغیرہ

(۷) آخر میں یہ عرض ہے کہ ہم کو اس سے متاثر نہیں ہونا چاہئے کہ اس رپورٹ پر کس کس کے دستخط ہیں۔ غلطی ہر شخص سے ہو سکتی ہے بلکہ رپورٹ کی سفارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ رپورٹ کی پہلی سطر "مکتبوں کا نصاب منظور شدہ ہونا چاہئے" غلط ہے۔ زیادہ تر زور مکاتب مدارس اسلامیہ پر دیا گیا ہے، ہماری شکایات اور ہمارے مطالبات کا کوئی ذکر نہیں۔ ثانوی سطح پر اردو کو بالکل ختم اور ابتدائی سطح پر اس کی پوزیشن بطور مستقل زبان ختم کر دی گئی ہے۔ رپورٹ کے صفحات کی خانہ پری احکام مجریہ حکومت کے اعادے سے کی گئی ہے تو اس کے سوا چارہ نہیں رہتا ہے کہ دستخط کرنے والوں کی شخصیتوں سے آنکھ بند کر لی جائے اور رپورٹ کے مواد کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے، اور کل رپورٹ کے مسترد کرانے کے لئے زور لگایا جائے۔

اردو کا ایک ادنیٰ خادم
محمد عدیل عباسی۔ ایڈوکیٹ بستی

یادگار امجد

"ہماری زبان" کی اشاعت ۱۵ر نومبر ۱۹۶۲ء میں صفحۂ آخر پر "تبصرے" کے حصے میں "یادگار امجد" مرتبہ: محمد اکبرالدین صدیقی، ناشر: مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت امجد حیدرآبادی مرحوم اردو کے باکمال رباعی گو شاعر تھے۔ مارچ ۱۹۶۱ء میں ۱۸ سال کی عمر پاکر رحلت کی۔ ان کی وفات پر مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، پروفیسر سید محمد اور ڈاکٹر عبدالصمد وغیرہ نے تفصیلی مضامین لکھے تھے جن میں مرحوم کی شخصیت اور فن سے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں۔"

تعجب ہے کہ امجد حیدرآبادی جنھوں نے مارچ ۱۹۶۱ء میں رحلت کی ان پر مولانا مناظر احسن گیلانی نے مضمون لکھا جبکہ خود وہ ۵ رجون ۱۹۵۶ء کو انتقال فرما گئے تھے ـــ؟

(مناظر ہرگانوی)

انجمن ترقی اُردو دہلی

۱۸ر نومبر کی شام کو انجمن ترقی اُردو شاخ دہلی کی ادبی نشست بابائے اُردو علامہ کیفی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جناب پرشیام سندر کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ رعنا بیگم، طالب دہلوی، کالی چرن اثر اور جمال بھارتی نے نظمیں پڑھیں، مولانا عبدالرحمٰن ایم پی، نے علامہ کیفی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے علامہ کیفی کی علمی وادبی خدمات کا جائزہ لیا اور فرمایا کہ ان کی یاد میں صرف ایک دن کا جلسہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے۔ انھوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ کیفی صاحب کی جو تصانیف ابھی تک چھپی نہیں ہیں اُن کو چھپوانے کا اہتمام مرکزی انجمن کو جلد از جلد کرنا چاہئے۔

حمیدہ سلطان نے کہا کہ یہ ادبی چہل پہل جو اب دہلی میں ہے اس میں کیفی صاحب کی روح کام کر رہی ہے۔ انھوں نے پیرانہ سالی میں بھی جوانوں کی طرح سے اُردو کے لئے کام کیا اور انجمن ترقی اُردو سے علامہ کیفی کا تعلق مرتے دم تک رہا۔ جن لوگوں نے کیفی صاحب کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ بہت متوازن دماغ کے فرشتہ صفت انسان تھے لیکن اُردو کا مسئلہ جب ان کے سامنے ہوتا تو ان کی گرمی گفتار دیکھنے اور سُننے سے تعلق رکھتی تھی۔

صدر محترم نے فرمایا کہ علامہ کیفی سے مجھے نیاز حاصل کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ میں نے ان کی ذات سے زیادہ ان کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔ وہ جتنے اچھے ادیب تھے اتنے ہی اچھے انسان بھی تھے۔ ان کے کاموں کو جلد از جلد عوام کے سامنے پیش کرنا قوم اور ملک پر انجمن ترقی اُردو کا احسان ہوگا

نشست میں مولوی غلام یزدانی صاحب دہلوی سابق ناظم آثار قدیمہ حیدرآباد (دکن) کے انتقال پر ایک تعزیتی تجویز بھی پاس کی گئی۔ (اسسٹنٹ سکریٹری)

انجمن ترقی اُردو حیدرآباد

انجمن ترقی اُردو، اُردو مجلس، مولانا آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور آندھرا پردیش للت کلا اکیڈیمی کی جانب سے ایک تعزیتی جلسہ ۲۰ر نومبر ۱۹۶۲ء کو شام کے ۶ بجے اُردو ہال حمایت نگر میں منعقد ہوا جس میں مرحوم ڈاکٹر غلام یزدانی کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر ہارون خاں شروانی، شری فضل الرحمٰن، شری آر۔ ایم۔ جوشی، شری غلام ربانی اور شری نصیرالدین ہاشمی نے تقریریں کیں۔ جلسہ کی صدارت شری ایل این گپتا منتری تعلیمات نے کی۔ جلسے میں طے پایا کہ یادگار کے طور پر ایک کتاب بھی شائع کی جائے جس میں ڈاکٹر غلام یزدانی مرحوم کے کردار، سیرت اور ان کے کارہائے نمایاں پر مضامین شامل ہیں۔ آخر میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی:۔

آج کا یہ جلسہ ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب کی موت پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے خدا سے دست بدعا ہے کہ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (ارشاد علی خاں منتظم)

انجمن ترقی اُردو گیا

۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء بوقت ۲ بجے دن ظفر منزل میں، انجمن ترقی اُردو گیا کی نئی مجلس عاملہ کا افتتاحی جلسہ زیر صدارت جناب قاضی محمد حسین صاحب، منعقد ہوا۔ اور حسب ذیل تجاویز باتفاق رائے منظور کی گئیں۔

مجلس عاملہ انجمن ترقی اُردو گیا ہندوستان کے خلاف چین کے جارحانہ حملہ کی شدید مذمت کرتی ہے اور اس بات کا عہد کرتی ہے کہ انجمن مذکور ملک کے دفاع کی اس عظیم مہم میں اپنی حکومت کی ہر ممکن مدد کرے گی۔ اس سلسلے میں مجلس عاملہ انجمن ترقی اُردو گیا کے تمام بنیادی ممبروں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ قومی دفاعی فنڈ میں زیادہ سے زیادہ چندہ دیں اور حکومت سے ہر ممکن تعاون کریں۔

مگدھ یونیورسٹی میں اُردو ایم۔ اے کلاس کھلوانے اور اُردو کے پرائیویٹ طلبہ کو ایم۔ اے کے امتحان میں شریک ہونے کی اجازت دلوانے کے سلسلے میں وائس چانسلر مگدھ یونیورسٹی سے ملاقات کے لئے ایک وفد کی تشکیل کی تجویز پر غور و خوض کے بعد ایک کمیٹی بنائی گئی جو نو ممبروں پر مشتمل ہے۔

ساگر میں چینی حملے کی مذمت

"ادارہ نامی" ساگر کا جلسہ زیر صدارت شری شیو کمار سریواستو ایم۔ اے ہوا جس میں اُردو اور ہندی کے نمائندہ شعراء و ادباء نے شرکت کی۔ اس جلسے میں چین کے جارحانہ حملے کی مذمت کرتے ہوئے بھارت سرکار کو یقین دلایا گیا کہ اُردو اور ہندی شعراء و ادباء ہر ممکن قربانی کے لئے تیار ہیں۔ نیز حکومت ہند اور وزیر اعظم پنڈت جواہرلال نہرو کی متعلقہ پالیسی کے پُرزور حامی ہیں۔

اس جلسے نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ادارہ نامی ساگر کے زیر اہتمام ایک قومی مشاعرہ کیا جائے۔ اور طے پایا کہ مجوزہ مشاعرہ ٹکٹ سے کیا جائے اور اس کی تمام آمدنی دفاعی فنڈ میں دے دی جائے۔

(منیر ساگری)

ضروری اعلان:۔ براہ مہربانی خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ منیجر

محمد عتیق صدیقی

تبصرہ

پختونستان کا مطالبہ

از شانتی رنجن بھٹاچاریہ
تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶، حجم ۴۴ صفحات، قیمت ایک روپیہ
ملنے کا پتہ: شانتی بک کلب، ۲۳ زکریا اسٹریٹ، کلکتہ

پختونستان کی تحریک اور خان عبدالغفار خاں لازم و ملزوم ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی اس مختصر کتاب "پختونستان کی تحریک" کا مرکزی کردار بھی خان عبدالغفار خاں ہی کی ذات ہے، جن کو پختون "باچا خان" کہتے ہیں اور جو ہماری تحریک آزادی کے زبردست مجاہد تھے، لیکن وہ ان بدنصیب لوگوں میں ہیں جن کو آزادی راس نہ آئی۔ یہ یقیناً ہماری تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے کہ آج آزادی کے چودہ برس بعد بھی خان عبدالغفار خاں اسی طرح جیل کی چہاردیواری کے اندر زندگی گزار رہے ہیں جس طرح انگریزی دور میں وہ قیدوبند کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی یہ مختصر تالیف دراصل خان عبدالغفار خاں کی اسی قید بے میعاد کے خلاف ایک بجا اور شدید احتجاج ہے۔

پختونستان کے مطالبے پر بحث کرتے ہوئے مؤلف نے ضمناً ہندستان کے مسلم عہد کی تاریخ کا بھی سرسری جائزہ لیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ:

> "ہزاروں سال سے ہندستان میں یکے بعد دیگرے حملہ آور آئے۔ پٹھان آئے، مغل آئے... جن لوگوں نے ہندستان کو فتح کیا، ہندستان پر حکومت کی، ان تمام نے بالآخر ہندستان کو اپنا وطن تسلیم کر لیا، وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے، وہ اسی سماج میں گھل مل گئے، اور اس طرح انھوں نے ہندستان کو اپنا لیا... جب وہ یہیں کے ہو گئے تو ہندستان کی تعمیر میں انھوں نے اپنا اپنا کردار ادا کیا، انھوں نے اسی ملک کی خوش حالی و ترقی کے لیے کام کیے، کیونکہ انھیں یہاں سے دولت لوٹ کر کہیں اور لے جانا نہیں تھی، انھیں یہیں جینا اور یہیں مرنا تھا۔"

زبان کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے بڑے خلوص کے ساتھ لکھا ہے کہ:

> "میری مادری زبان بنگلہ ہے، ظاہر ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے، لیکن مجھے اردو سے بھی اتنی ہی محبت ہے جتنی کہ بنگلہ سے، کیوں کہ میں اس زبان کو جانتا ہوں، اس زبان میں لکھ کر اپنے خیالات کا پرچار کرتا ہوں، اس لیے جب بھی میں یہ دیکھتا ہوں کہ اردو کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے تو میرے دل کو ٹھیس لگتی ہے اور میں اس کے خلاف آواز بلند کرتا ہوں۔ مردم شماری کے دنوں میں انجمن ترقی اردو ہند کے پلیٹ فارم سے جابجا میں نے جلسۂ عام میں تقریریں کیں اور عوام سے جن کی مادری زبان اردو ہے، اپیل کی کہ وہ مادری زبان کے خانے میں اردو لکھائیں۔ یہ کیوں؟ ایسا میں نے کیوں کیا؟ اس لیے کہ میں ہر زبان کے حق کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر زبان کو اپنے علاقے میں پھلنے پھولنے کا موقع ملے..."

شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے بعض جگہ واقعات بیان کرنے میں غلطی بھی کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان کی حکومت نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ محمد علی جناح کو 'قائد اعظم' کا خطاب دیا۔"

یہ "کارنامہ" پاکستان کی حکومت کا نہیں بلکہ گاندھی جی کا تھا جنھوں نے ۱۹۴۴ء میں مسٹر جناح کو ایک خط لکھتے ہوئے پہلی بار "قائد اعظم" کے لقب سے ان کو مخاطب کیا تھا۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ کا یہ بھی خیال ہے کہ:

> "پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم نے اچھی طرح یہ محسوس کیا کہ انھوں نے زندگی میں سب سے بڑی غلطی کی ہے۔"

اس خیال کی تائید میں شری بھٹاچاریہ نے مسٹر شرما کی PEEPS INTO PAKISTAN اور مسٹر اشوک ول امانی کی کتاب PAKISTAN X-RAYED کے حوالے دیے ہیں۔ اول الذکر کتاب آٹھ سال قبل میں نے پڑھی تھی، جو اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے۔ جہاں تک یاد آتا ہے اس کتاب میں زیادہ تر تقسیم سے پہلے کی سیاست پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اور شاید اس کے مصنف پہلی اور آخری بار مسٹر شرما سندھ آبزرور کے اڈیٹر بھی رہے تھے اور سندھی سیاستدانوں سے ان کے گہرے تعلقات بھی تھے۔ مسٹر جناح سے بھی اپنی دوستی کا انھوں نے کھل کر ذکر کیا ہے۔ تقسیم کے بعد کچھ دنوں تک وہ کراچی میں رہے بھی تھے۔ انھوں نے مسٹر جناح کی پاکستان بننے کے بعد کی بے بسی و بے چارگی کا بھی تذکرہ کیا ہے لیکن اس تذکرے سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ مسٹر جناح اگر اپنے انتقال سے دو دن پہلے لیاقت علی خاں کو برخاست کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے، جس کا ان کے ایک مصاحب اور تذکرہ نگار نے تفصیلاً ذکر کیا ہے، تو وہ اپنی اس غلطی کا بھی کچھ نہ کچھ مداوا تو کر ہی سکتے تھے۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی یہ کتاب دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا ہندی ترجمہ بھی شائع کیا جائے، لیکن اس کو ہندی میں شائع کرنے سے قبل اس پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ پختونستان کی تحریک اور خان عبدالغفار خاں کی سیرت و شخصیت کے مطالعے کے سلسلے میں چند اور کتابوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے مثلاً مہادیو ڈیسائی کی "دو خدائی خدمت گار" اور خارج بخاری کی "باچا خان"۔ موخرالذکر کتاب تقسیم کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالتی ہے۔

مالک: انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پبلشر: نذیر حسن، پرنٹر: ضمیرالدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا